بات ہے۔ اس لیے عموماً ہوتا یہ ہے کہ: شوہر کو قتل کر کے بیوی کو فارغ کر لیا جاتا ہے، پھر اسے اپنے حرم میں داخل کر لیا جاتا ہے، کیونکہ اب اور کوئی ہیچ باقی نہیں رہتی۔ اور یہ وہ حقائق ہیں جو عموماً شب و روز دیکھنے میں آتے رہتے ہیں کہ مطلوبہ عورت کو حاصل کرنے کے لیے راستے کے اس گراں پتھر کو ہٹایا جاتا ہے لیکن بہن کے بھائی کے ساتھ یہ معاملہ بہت شاذ و نادر ہی پیش آتا ہے۔ بس حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے بھی اس قماش کے آدمیوں کی یہی بد حکمتِ عملی اور نفسیات تھیں کہ: ان کو قتل کر کے سارہ پر قبضہ نہ کرے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس موقع پر سارہ سے یہ الفاظ کہے کہ:

ان یعلم انك امراتی یغلبنی علیك (فتح الباری ۲۳۳/۱۳)

اس لیے فرمایا کہ: یہ تو میری بہن ہے۔ بیوی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ وہ دینی بہن بھی ہوتی ہے: انما المؤمنون اخوۃ (قرآن) جو بہن بھائی پر حرام ہوتی ہے وہ دینی بہن نہیں ہوتی رشتہ کی بہن ہوتی ہے اس لیے جھوٹ یہ بھی نہ رہا۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا واقعی اس جبار کا ارادہ اس کو اپنے حرم میں داخل کرنے کا تھا یا صرف وقت پاس کرنے کا؟ سو روایات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اسے اپنا کر اپنے حرم میں لا بسانے کا تھا۔ کیونکہ جن صلاح کاروں نے اس کو اس طرف توجہ دلائی تھی، انھوں نے ان سے کہا تھا کہ: وہ صرف آپ کے لائق ہے۔

فقال لقد قدم ارضك امراۃ لا ینبغی ان تکون الالك (فتح الباری من روایۃ ہشام بن حسان ۲۳۳/۱۳)

یہ اور بات تھی کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کچھ اور تھی، تاہم وہ حضرت سارہ کے پاکیزہ حسن و جمال سے اس قدر متاثر ہو گیا تھا کہ: اس نے یہ کہہ کر حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان کی خدمت کے لیے بطورِ ہدیہ پیش کیا تھا کہ: یہ اپنا آپ کرے، سیتا نہیں۔

قال ان ہذہ لا تصلح ان تخدم نفسها (فتح الباری ۲۳۳/۱۳)

پرویز اور مولانا مودودی۔ دونوں میں بڑا فرق ہے۔

پرویز صاحب: جناب پرویز کو ان کے اشتہاروں کے آئینہ میں دیکھنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا، ان کو ان کے لٹریچر، تالیفات اور ان کے سرکاری آرگن طلوع اسلام کے اوراق میں تلاش کیجیے!

یقین کیجیے! ان کا لٹریچر صرف سُنت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شرعی حیثیت کا منکر نہیں بلکہ وہ الحاد و زندقہ کے دنگل میں بھولو پہلوان کی حیثیت رکھتا ہے۔ یعنی پرویز صاحب کے ہاں انکارِ حدیث سے اصل مقصود اسلام میں قرآن کے نام پر نئے دین کی ترویج ہے جس کے لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر زمانۂ حال تک کے معمول بہ اسلام اور مسلمان رہنماؤں کے افکار سے نفرت دلا کر مرکزِ ملت کی نئی بنیاد پر حکومتی مذہب کی دعوت ان کا پہلا تمہیدی مرحلہ ہے۔

ان کا "مرکزِ ملت" دراصل شاہی پاپائیت اور برہمنیت کی قسم کی ایک شے ہے جس میں قرآن کے مفہوم کی حتمی تعبیر کا حق صرف اسلامی جمہوریہ کے سربراہ کو دینے کی کوشش کی جا رہی ہے، چونکہ موصوف سرکاری ملازمت کے اونچے منصب پر فائز رہے ہیں اور سربراہوں سے ان کا خصوصی تعلق بھی رہا ہے، اس لیے اگر موصوف ایسی باتیں کرتے ہیں تو غیر متوقع بات نہیں ہے، لیکن افسوس اس امر کا ہے کہ: علمائے حق کے جائز مقام اور منصب کو پاپائیت اور برہمنیت سے تعبیر کر کے ان کو بدنام کرنے کے لیے خون پسینہ ایک کر رہے ہیں مگر اپنی حالت یہ ہے کہ "مرکزِ ملت کے نام" پر "دینی تعبیر" کی اجارہ داری کے لیے خود ایک پوپ اور برہمن کا صنم تراشنے میں مصروف ہیں۔ اس لیے وہ علم کے بجائے عموماً داؤ پیچ سے لیس ہو کر آگے بڑھتے ہیں، بابِ حدیث میں تشکیک، تضحیک اور جارحیت کے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں، مگر یا ایں ہمہ قرآنی فکر اور قرآن دانی کے واحد اجارہ دار بھی بنتے ہیں اور بلا استثناء تمام احادیث اور حاملین سنت کے ایک بے خبر مگر بے درد محاسب اور نقاد بھی ہیں۔ اس سلسلے میں ان کی لن ترانیاں تعلیاں اور پھبتیاں نخروں کی حد تک بڑھ گئی ہیں، اور جتنا سوچتے ہیں اس میں تعمیر سے زیادہ تخریب کا پہلو غالب رہتا ہے۔ جدلی رنگ کے مغالطات اور وساوس کی دھاک بٹھاتے چلے جاتے ہیں۔ امید ہے کہ آپ نے طلوعِ اسلام اور ان کا دوسرا لٹریچر پڑھ کر یہ محسوس کیا ہو گا کہ جب وہ ملتِ اسلامیہ کی تاریخ اور ماضی کی طرف بڑھتے ہیں تو جارحانہ شان سے بڑھتے ہیں اور پورے سرمایۂ حدیث کو اسخو کر روزگار بنا کر دم لیتے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ نے دیکھا ہو گا کہ جناب پرویز علی الانفراد احادیث کے جزوی کمزور نمونے دکھا کر ساری احادیث کو ٹھکراتے ہیں۔

ان کی تکنیک یہ ہے کہ: ایک حدیث لے کر اس کا مذاق اڑاتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ: اب کوئی کیسے احادیث پر اعتماد کرے۔

یعنی چونکہ یہ حدیث ضعیف ہے لہذا ساری حدیثیں ضعیف اور ناقابلِ عمل ہیں۔ چہ خوب!

مولانا مودودی۔ اس کے برعکس مولانا مودودی سنت کو شریعت کا دوسرا ماخذ تصور کرتے ہیں، اور

جن احادیث پر انھوں نے نقد و جرح کی ہے ان روایات کے ذریعے سارے ذخیرۂ احادیث کو رد نہیں کرتے۔ اصل میں مولانا پر جو اعتراض کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ احادیث کے سلسلے میں روایت اسنادی کے ساتھ درایت معنوی سے بھی کام لیتے ہیں، بعض احادیث کا رد محض اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ماہر عالم دین کے ذوق سلیم کے خلاف ہوتی ہے اور بعض صرف اس لیے قبول کر لیتے ہیں کہ ان کے نزدیک وہ فقہی درایت کے موافق ہوتی ہے لیکن ہمارے نزدیک ؎ این چیزے دیگرے! — مگر اس کے باوجود ہم اس سلسلے میں مولانا سے علی الاطلاق اتفاق نہیں کر سکتے لیکن ان کو جناب پرویز کی صف میں کھڑا کرنے کو بھی بڑی زیادتی تصور کرتے ہیں۔

جزوی طور پر بعض احادیث کا رد، خود بعض فقہاء کا معمول چلا آ رہا ہے، لیکن اتنی سی بات کی وجہ سے ان کو منکرین حدیث کے زمرہ میں کسی نے شمار نہیں کیا؛ یہاں بعض احادیث کا انکار اس لیے نہیں کیا جاتا کہ وہ "حجیت حدیث" کے منکر ہیں بلکہ اس کو حجت ماننے کے باوجود اپنی تحقیق کی حد تک جزوی طور پر بعض اندرونی یا بیرونی قرائن کی بنا پر بعض روایات کی صحت سے انکار کرتے ہیں۔

مولانا گو آزاد حنفی ہیں مگر حنفی مسلک کی بعض باتیں ان میں راسخ بھی ہیں، درایت کا یہ پہلو بھی انہی سے ماخوذ ہے ہمارے نزدیک اس کا سب سے بڑا ماخذ طحاوی کی شرح معانی الآثار ہے کہ مختلف احادیث بیان کر کے دونوں کے مابین محاکمہ عموماً فقہی درایت سے کرتے ہیں یا ان حنفی بزرگوں کے طرزِ عمل سے غیر شعوری طور پر متاثر ہیں جو اعتزال کی طرف مائل ہیں یا اپنے دور کے فلسفہ کے صید زبوں ہوتے ہیں جیسے امام رازی کا حال ہے۔

مولانا حدیث کے معاملے میں اس حد تک دلچسپی رکھتے ہیں اور اس کے مقام رفیع سے اس قدر متاثر ہیں کہ، ایک دفعہ راقم الحروف نے ان سے کہا تھا کہ: تفہیم القرآن کی طرح اگر تفہیم حدیث کے لیے تفہیم الحدیث بھی لکھ دیں تو کیا ہی اچھا ہو۔ انھوں نے مجھ سے فرمایا تھا:

بھئی! اس کے لیے مجھے دس گنا طاقت اور وسائل درکار ہیں، جن کی اب مجھ میں ہمت نہیں رہی۔ بلکہ ایک دفعہ انھوں نے اپنے کتب خانہ سے اپنی ذاتی ابوداؤد نکال کر دکھائی تھی جس پر انھوں نے کچھ نوٹ لکھے تھے، مجھ سے فرمایا تھا کہ اگر حدیث پر کام کرنا ہے تو ان لائنوں پر کریں یا اس کو آگے بڑھائیں۔ ایسی باتیں وہ شخص نہیں کہہ سکتا جس کو احادیث پر اعتماد نہ ہو۔ ہاں ایسے شخص کی جزوی تحقیق سے تو اختلاف کیا جا سکتا ہے لیکن اس کو عدم حجیت حدیث کا قائل گردا ننا یا جناب پرویز کے پلڑے میں ان کو ڈالنے کی کوشش کرنا ہمارے نزدیک علم اور انصاف کی بات نہیں۔ اس سلسلے میں ان کی جو خدمات ہیں ان سے اغماض کرنے والی بات ہے۔